حالی اور شبلی کے فکری اشتراکات

منور ہاشمی

ABSTRACT:

Maulana Altaf Hussain Hali and Allama Shibli Noumani are both contemporary personalities and as a matter of fact both were much confluenced by Ali Garh and Sir Syed Ahmad Khan. Both of them won carrels in the fields of biography writing , history writing and verse writing art criticism with reference to all these genres. Their writings, style and methodology may be different but they carry glaring similarity and commonality. They both made same type of stylistic literary experiments. They both tried their pens in the best possible way to safeguard the nation and defend Islam, patriotism and the cases of pitiable conditions of the Muslims. Both of the guided them nation through their creative and God-gifted qualities.

مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا محمد شبلی نعمانی اپنے افکار ونظریات اور تصانیف کے اعتبار سے دوعہد ساز شخصیتیں ہیں۔ انہوں نے اپنی اپنی جگہ مخصوص علمی و ادبی میدانوں میں انقلاب برپا کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دونوں نے اپنی الگ الگ حیثیت میں کام کیا جو مقاصد ان کے ذہنوں میں تھے، ان کے حصول کے لیے جو بھی راستے تھے ان پر کبھی الگ الگ اور کبھی ایک ساتھ سفر کیا۔ یہ وہ دور تھا جب ملتِ اسلامیہ انتہائی مایوسی اور بے چارگی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انہیں ہر طرف تاریکی دکھائی دے رہی تھی۔ ایک محکوم اور مجبور قوم کو اپنا مستقبل بہت مایوس کن دکھائی دے رہا تھا۔ اس عالم میں سرسید احمد خان نے اُمید کی ایک کرن بن کر سامنے آئے اور مسلمانوں میں فروغ تعلیم کا مشن شروع کیا۔ اس مشن کا ایک حصّہ بننے کے لیے الطاف حسین حالی اور شبلی نعمانی ہندوستان کی دو مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہوئے علی گڑھ پہنچے۔ دونوں کے دلوں میں علم کی محبت موجزن تھی۔ وہ علم حاصل کر کے اس سے قوم کو فائدہ پہنچانے کا عزم رکھتے تھے۔

مولانا حالی دہلوی مزاج اور تہذیب و ثقافت جبکہ مولانا شبلی لکھنوی طرز زندگی کا ایک نمونہ تھے۔ دونوں کی

عمروں میں فرق ضرور تھا مگر ذہنی طور پر برابر محسوس ہوتے تھے۔ کیونکہ ایک مشن پر ایک ہی جذبے کے تحت کام کا آغاز کیا تھا۔ حصول علم اور خدمتِ ملت کے اسی جذبے نے انہیں علی گڑھ کا راستہ دکھایا تھا۔ علی گڑھ کے جوہری سرسید احمد خاں نے انہیں اپنے حلقہ رفاقت میں فوری طور پر داخل کیا اور ان سے بہت بڑے بڑے کام لینے کی منصوبہ بندی کر لی۔ یہ ایک بحرانی دور تھا۔ اس بحران نے پوری امتِ مسلمہ کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ ہر طرف مایوسی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ ہندو اور انگریز جو مسلمان قوم کو زبوں حالی میں دھکیلنے کی سازش میں برابر کے شریک تھے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب اس قوم کا ابھرنا ناممکن ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ بحرانوں کی کوکھ سے ہی شخصیات ابھرتی ہیں جو انقلابات کا باعث بنتی ہیں۔ سرسید نے ایسے ہی نابغے اپنے گرد جمع کر لیے تھے۔

سرسید کے اپنے مقاصد اس سارے تانے بانے میں کچھ بھی ہوں لیکن نتائج کے اعتبار سے یہی تانا بانا اُمّہ کے سنبھلنے اور بعد ازاں کی منزل پر گامزن ہو کر منزل پا لینے کا باعث بنا۔ اس منزل کے راستے میں آگے چل کر قوم کو علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح ملے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس دشوار گزار راستے کی ابتدائی دشواریاں کن لوگوں کے ہاتھوں آسانیوں میں تبدیل ہو سکیں۔ شروع شروع کے کانٹے کس کے ہاتھوں سے صاف ہوئے۔ سب لوگ بے شک کہیں کہ کوئی اور عمارت بنائی جا رہی تھی جو مسجد میں تبدیل ہو گئی۔ ہمیں تو نتیجہ دیکھنا ہے نتیجہ اگر مسجد کی تعمیر ہے تو عمارت کی پہلی اینٹ رکھنے والے بھی قابل قدر ٹھہرے۔ اس کارِ خیر میں شریک ویسے تو تمام شخصیات کی مساعی قابل تعریف ہے مگر حالی اور شبلی کی کارکردگی پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔ یہ دونوں علمی و ادبی میدان میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ دونوں فطرتاً جامع الصفات تھے۔

فکری لحاظ سے دونوں میں بے شمار اقدارِ مشترک دکھائی دیتی ہیں۔ دونوں نے علمی و ادبی میدان میں ایک جیسی اصناف کو ذریعہ اظہار بنایا۔ حالی سوانح نگار تو شبلی بھی سوانح نگار۔ حالی نے تنقید لکھی تو شبلی نے بھی تنقید کو شعار بنایا۔ حالی شاعر تھے، شبلی بھی شاعر۔ حالی نے ابتدا میں تحقیقی نثر لکھی، شبلی نے بھی تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ حالی اور شبلی دونوں نے اپنے دور کے مستشرقین کی طرف سے لکھی گئی کتابوں اور رسالوں میں اسلام اور ہادیٔ اسلام کے حوالے سے ہرزہ سرزہ سرائی کے خلاف مضامین اور رسائل تحریر کیے جس سے ان کے افکار میں ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے۔ حالی نے اس حوالے سے تریاق مسموم، پادری عماالدین کی تاریخ محمدیؐ پر منصفانہ رائے'' اور شواہد الالہام'' نامی کتابچے تحریر کیے۔ ان کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالقیوم کی رائے ملاحظہ کریں:

> ''مولانا حالی نے زمانے کے رواج کے مطابق مناظرے کا رنگ اختیار کیا ہے مگر ان کی تحریر میں جوش و خروش اور غم وغصہ کا اظہار نہیں بلکہ استدلالی رنگ غالب رہا اور معقولیت اور تہذیب کا رنگ کہیں پھیکا نہیں پڑنے پایا''۔(۱)

ولانا شبلی نعمانی نے یورپی مورخین، محققین اور نقادوں کی کتابیں اور مضامین کا باضابطہ طور پر مطالعہ کیا اور ان کے مدلل اور موثر جوابات پر مبنی مضامین تحریر کیے۔ جو مقالاتِ شبلی کے عنوان سے سامنے آ چکے ہیں۔ ان مضامین کی اہمیت اور شبلی کے انداز تحریر کے حوالے سے سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

''ایسے ہوشمند حریفوں کے مقابلے کے لیے ساری دنیائے اسلام میں جو شیر دل اسلام کی صف سے سب سے پہلے نکلا وہ مولانا شبلی ہی تھے جنھوں نے انہی کے طریقے سے ان ہی کے اسلوب پر ان کو جواب دینا شروع کیا اور بتایا کہ اسلام کے فیض و برکت کی فرح بخش ہواؤں نے دنیا کے علم و تمدن کی بہاروں کو کیسے دوبالا کیا''۔(۲)

حالی اور شبلی دونوں کے دل اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی پر تڑپتے تھے۔ وہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کر کے ماضی کے آئینے میں مسلمانوں کا حال اور مستقبل دیکھ رہے تھے۔ حالی نے اپنے دل کی تڑپ اور اپنی روح کے اضطراب کو مسدس مدوجزرِ اسلام میں سمو دیا۔ ایک ایسی طویل نظم وجود میں آئی جو آج تک ادبی شہکار کی حیثیت تھی رکھتی ہے اور مشعل راہ بھی ہے۔ نمونے کے چند شعر دیکھیے:

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا (۳)

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا
کسی کا سبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزہ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا
اس طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر (۴)

اس طویل نظم میں اسلام سے پہلے عربوں کی حالت سے لے کر حالی کے اپنے دور تک کے حالات بیان کیے گئے۔ اسلام کی آمد، عروج اور پھر مسلمانوں کے زوال کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ زوال کے اسباب تلاش کیے گئے اور ان اسباب کے تدارک کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ (۵)

مسدس حالی کے حوالے سے رام بابوسکسینہ لکھتے ہیں:

''مولانا کی سب سے زیادہ مقبول اور سب سے زیادہ مشہور تصنیف ہے۔ یہ ایک نیا دور پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اس کی مقبولیت اب بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ پہلے تھی۔ یہ ایک الہامی کتاب ہے اور اس کی تاریخ ارتقائے ادب اردو میں ایک سنگ نشان سمجھنا چاہیے۔ یہ ایک نیا تارہ ہے جو اردو کے اُفق شاعری پر طلوع ہوا۔ اس سے ہندوستان میں قومی اور وطنی نظموں کی بنیاد پڑی''۔(۶)

اس نظم کی ہر طرف دھوم مچ گئی۔اس کے دل میں اتر جانے والے انداز کے باعث سب متاثر ہو رہے تھے۔ مولانا شبلی بھی اسی دور میں اس قسم کے جذبات کے ساتھ نظم 'صبح اُمید' کے ساتھ مسدس کے تاثر کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہوگئے۔ مسدس حالی کی طرح کی مثنوی 'صبح اُمید' میں بھی مسلمانوں کے ماضی اور حال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مستقبل کے لیے فکرمندی کا اظہار ہے۔ سید سلیمان ندوی اس مثنوی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس وقت تک مثنوی صرف قصے کہانیوں تک محدود تھی۔ ابھی تک اسے قومی مقاصد کے لیے کام میں نہیں لایا گیا تھا۔ مولانا شبلی نے اس میں پہل کی''۔(۷)

مثنوی اپنے اسلوب اور تاثر کے لحاظ سے باکمال ہے۔ مثنوی کے اشعار دیکھیے:

''جس چشمے سے اک جہاں تھا سیراب
وہ سوکھ کے ہو رہا تھا بے آب
پیچھے ہٹنے لگی تھی یہ بڑھ کر
دریا یہ اتر چلا تھا چڑھ کر
مٹنے پہ تھا جو نشاں ہمارا
خواب اور ہوا گراں ہمارا (۸)

اس کے علاوہ اسی درد میں ڈوبی ہوئی نظم 'تماشائے عبرت' (قومی مسدس) اور 'شہرآشوب' اسلام بھی تحریر کی۔ حالی اور شبلی کی نظمیں ہیئت کے اعتبار سے بھی مماثلت رکھتی ہیں اور فکری لحاظ سے بھی۔ قومی مسائل، مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں بھی اور ثقافتی مظاہروں اور تہذیب وتمدن کے حوالے سے دونوں شخصیات کے افکار میں یکسانیت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے دل ایک جیسے جذبات رکھتے تھے اور ایک رفتار اور انداز سے دھڑکتے تھے۔

شبلی اور حالی جب تنقید کے میدان میں اترے تو اس میں چمن کھل اٹھے۔ حالی نے مقدمہ شعروشاعری لکھ کر

تنقید کے بنیادی اصول مرتب کر دیئے جبکہ شبلی نے **شعر العجم** کی تصنیف سے تنقید اور اصنافِ سخن کی تعریف کا حق ادا کر دیا۔ دونوں تنقیدی نظریات کے حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے ملاحظہ کریں:

> ''صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالی عملی تنقید اچھی کرتے ہیں۔ چونکہ وہ ذوق شعری سے بدرجہ کمال متصف ہیں اس لیے اچھے شعر کی شناخت میں بے نظیر ہیں۔ اس پر ان کا یہ خاص وصف ہے کہ وہ عموماً شعر کی وضاحت اور تشریح خوب کرتے ہیں، ......مگر ایسے نقادوں کی اصول بندی عموماً کمزور رہی۔ حالی بھی اصول بندی میں کمزور ہیں''۔(۹)

شبلی کے حوالے سے بھی ان کی رائے کچھ زیادہ مختلف نہیں:

> ''احساس یہ کہتا ہے کہ وہ اصول بند نقاد سے زیادہ عملی نقاد ہیں اور اس حیثیت میں ان کا ذوق ان کے اصولوں سے الگ الگ چلتا نظر آتا ہے اور بعض دفعہ اپنے ہی اصولوں کے برعکس........... وہ کافی پھیلاؤ ہونے کے ساتھ شعر وسخن کی لطافتوں کا تجزیہ بھی کرتے ہیں اور قاری کے لیے اپنی تنقیدی بحث کو دلچسپ بھی بنائے جاتے ہیں۔ شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر کی تشریحات، ذوق کے لیے یوں ہیں گویا دبستان کھل گیا''۔(۱۰)

شعر کی تعریف اور تنقید کے حوالے سے دونوں کے نظریات و افکار میں بہت حد تک یکسانیت ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو دونوں شخصیات تاریخ نویسی، شاعری، مقاصد شاعری، سوانح نگاری اور تنقید کے حوالے سے ملتے جلتے افکار رکھتے ہیں اور ان تمام اصناف سے متعلق ان کے جو مقاصدِ تحریر ہیں وہ مماثل و مشترک ہیں۔

حواشی/حوالے:

۱۔ عبدالقیوم، ڈاکٹر، **حالی کی اردو نثر نگاری**، لاہور مجلس ترقی ادب ۱۹۶۴ء، ص ۶۸۔

۲۔ ندوی، سید سلیمان، **حیات شبلی**، اعظم گڑھ، دارالمصنفین ۱۹۴۳ء، ص ۲۵۔

۳۔ حالی، الطاف حسین، **مسدسِ حالی**، لاہور، خزینہ علم و ادب ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۶۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۱

۶۔ سکسینہ، رام بابو، **تاریخ ادب اردو**، لاہور، سنگ میل ۲۰۰۴، ۲۰۳۔

۷۔ ندوی، سید سلیمان، **حیات شبلی**، اعظم گڑھ دارالمصنفین ۱۹۴۳ء، ص ۱۴۸۔

۸۔ شبلی نعمانی، علامہ، **کلیاتِ شبلی نعمانی**، لاہور الوقار پبلی کیشنز ۲۰۰۴، ص ۱۵-۱۶۔

۹۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، **اشاراتِ تنقید**، لاہور، سنگِ میل ۲۰۰۸ء، ص ۱۵۹۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔